



دریا کو کوزے میں بند کر دیا پس کلمہ اللہ ان معنوں میں خدا کا بیٹا نہیں۔ جن معنوں میں اولاد آدم ہے۔ بلکہ وہ اس معنی میں ابن کہلاتا ہے کہ وہ خدا سے جھکا۔ اور چونکہ کلمہ اللہ کا ظہور ذات واجب ہے۔ اس لیے کلام مقدس میں آپ کو خدا کے جلال کا پرتو اور اُس کی ذات کا نقش اور مثالی طور پر اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے۔

**خدا نور ہے** چنانچہ قرآن میں خدا کے لئے ایسا ہی کلمہ شمس اور بھی سورہ نور میں خدا کو روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اللہ نور الانوار والاکھبر مثل نور مکتکاتہ فیہا معصباح المصباح فی زجاجة الزجاجہ کا نھا کوکب درسی یوقد من شجرۃ مبارکۃ زبذوۃ لا شرقیۃ ولا غریبہ یکاد یتھا لیفی ولولہ تمسہ نائر نور علی نور یھدی اللہ لنور من یشاؤ ویضرب اللہ الامثال ملتا اس کا یعنی اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے اور اُس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ طاق ہو اور طاق میں ایک چراغ رکھا ہے۔ اور چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے۔ اور قندیل اس قدر شفاف ہے کہ گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہو ایک ستارہ ہے اور چراغ زمین کے ایک مبارک درخت سے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ کہ جو نور کے رخ واقع ہے اور نہ پھم کے رخ۔ اس کا تیل اس قدر صاف ہے کہ اگر اُس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم محالوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ جل اٹھیں گے فرض کہ نور بر نور ہے اور اللہ اپنے نور کی طرف جسکو چاہتا ہے لاہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔

یہ ہے قرآن کی یوری عبادت مگر آج تک کسی مسلمان نے اس سے یہ نہیں سمجھا کہ خدا واقعی ایک روشنی ہے جو قندیل کی طرح کسی طاق میں رکھی ہے اور روشن

نور میں سے جل رہی ہے مگر حیرت ہے کہ جب بھی کسی سچی کی زبان سے خدا کا بیٹا حسن لیتے ہیں۔ تو اُن کا ذہن ولادت کی طرف دوڑ جاتا ہے حالانکہ جب کسی انسانی محاورہ کا اطلاق خدا تعالیٰ پر کیا جاتا ہے۔ تو تمثیلی یا استعارہ ہوتا کرتا ہے۔ ہماری زبان میں سے الفاظ کا مفہوم جو چارے کے لئے ہو کر آتا ہے۔ وہی مفہوم ذات باری کے لئے بھی سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اس لئے کہ مادی اور عینوی خیال کا اطلاق آسمانی تعلقات پر عاید نہیں ہو سکتا پس چاہیے کہ مسیح ابن اللہ کے الہی تصور کے لئے عالم بالا کی چیزوں کے خیال میں نفس رہو نہ کہ زمین۔

**احسان المؤمنین** مثال کے طور پر یہ مسلمانوں کو یاد دلانا ہوں کہ قرآن میں آنحضرت کی ازاد و اح مطہرات کو احسان المؤمنین کہا جیسا ہے۔ لیکن کیا ہم اس وجہ سے انہیں مسلمانوں کی مائیں سمجھ لیں کہ وہ فی الواقع نبی کی بیویوں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں یا حالانکہ خود قرآن مجید نے اس خیال کی تردید پدیں الفاظ کر دی ہے کہ "مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنم دیا۔ سورہ مجادلہ" پھر نبی کی بیویاں کیونکر مسلمانوں کی مائیں سمجھ لیں؟ کیا یہ عقیدہ لادخل نہیں؟ ہاں ضرور ہے۔ بشرطیکہ اس کے نورانی پسرو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اور کیا حضرت منصور نے "انا الحق" حضرت یابن یسریٰ کی درمن خدا میں تھا؟ اور حضرت محمد الدین ابن العربی نے "لا الہ الا انا" کہہ کر اس مادی تعلقات کا منہ سہ کیا تھا۔

**سمیع و بصیر** اس ضمن میں ہیں ایک اور مثال کا ذکر کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں خدا کو سمیع اور بصیر کے القاب سے متعجب کیا گیا ہے۔ لیکن کیا ہم خدا کو انسان کی طرح صاحب جسم اس وجہ سے تسلیم



کر لیں کہ ذات خداوندی سے "منہ" اور دیکھئے "کی صفات منسوب کی گئی ہیں  
 نہیں قطعاً نہیں۔ اس لئے ہم خدا تعالیٰ کے قول و فعل سے وہی امید میں رکھ  
 سکتے جو انسان کے قول و فعل سے ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا قول و فعل اس  
 منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ مثالی ہے۔ گو خداوند تعالیٰ صاحبِ اعجاز نہیں تاہم  
 اس میں اتنی قدرت ہے کہ وہ بغیر آنکھ کے دیکھ سکتا ہے۔ اور بغیر کان کے  
 سن سکتا ہے۔ اسی طرح خدا بغیر جودے بیکار کتا ہے جو نہ جسم کی خواہش سے  
 نہ خون سے پیدا ہوا ہے۔ بلکہ وہ خدا سے نکلا ہے۔"

**الہی عطیہ** اکلام مقدس میں بطور پیشگوئی اس معرفت کا یوں بیان کیا ہے  
 کہ "م کو ایک پیشکش کیا اور سلطنت اس کے کاغذ پر ہوگی اور وہ اس نام سے کہلائے  
 ہے عجیب غیر خدا کے قادر البیت کا باب اور ساتھی کا شہزادہ (سید ۱۵۹) اور ساتھی  
 سے ظاہر ہے کہ وہ مخلوق نہیں بلکہ الہی عطیہ ہے۔ البتہ اسکی بشریت مخلوق تھی اور ابنِ آدم  
 اس بشریت کے حامل کو صحراۃ طور پر پیدا لہذا بشریت طرف تھی اور ابنِ آدم کا منظر وہ  
 یعنی انسانیت کے لحاظ سے وہ ابنِ مریم ہے اور الوہیت کے لحاظ سے وہ ابنِ  
 آدم ہے۔ اس وجہ سے کلہ اللہ نے فرمایا کہ میں خداؤں سے نکلا اور آیا ہوں اور جتنا شہرہ  
 پیشتر اس سے کہ یاجیم پیدا ہوا۔ میں ہوں۔ (یوحنا ۸)

یہاں عمر ابنِ آدم اگرچہ خدا کی صورت پر تھا۔ لیکن "انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے  
 آپ کو پست کر دیا۔ اور یہاں تک فرما تو رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت کو اہل شہنشاہوں کا  
 شہنشاہ ہرگز کم تر اؤں کی خدمت کرنے کیلئے کیا۔ مالک ہوتے ہوئے خادم کی صورت اختیار  
 کی تاکہ ہمیں مالا مال کرے اگرچہ وہ ابنِ آدم تھا۔ مگر ابنِ مریم بن گیا تاکہ ہمیں بھی خدا کے  
 فرزند بننے کا استحقاق بخشے۔ پس کلہ اللہ انسان بننے کی وجہ سے۔ ابنِ آدم نہیں بلکہ  
 ابنِ آدم بننے کی وجہ سے انسان اور آسمانی بادشاہت کا سلطان ہے۔"

### نیے سے راو

اکلام مقدس میں لفظ "باب" اور "یہاں" کا استعمال منقول شرعی کی تفسیر سے  
 ہے۔ باب سے مراد ماں کا شہزادہ نہیں اور نہ بیٹے سے مراد جودہ کا بیٹا ہے بلکہ یہ لقب خدا  
 اور جودہ کا راہی سبب ہے۔ اصنافِ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر معبود ذات واجب تعالیٰ کا عقیدہ  
 یا الفاظِ مہر کے اور اقراض صرف اسی پر جائز ہو تو خدا تعالیٰ کو مسیح و یسوع کہنے سے اس کے  
 مکان اور انکو اور وجہ اللہ کہتے سے اس کے انت کہ زبان اور نفوس ظاہری اور پیدا شدہ  
 کہنے سے تفسیلی اور نگہیوں وغیرہ کا جودہ لازم آئے گا لیکن جسے کہ اس کے منہ ہاتھ وغیرہ سے  
 ہمارے جیسے نہ ہاتھ مراد نہیں بلکہ ان کا مقہوم وہی ہے جو اس کی الوہیت کی شان کے  
 شایاں ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ اس طرح ہے وہ بے مثل نہیں رہتا۔ تو یہ غلطی مثل  
 اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے مثل بیشک متعین ہے  
 لیکن مثال ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں خدا کو نہ رکھا گیا ہے اور نہ "کو" طاق  
 کے پوراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اسی طرح خدا کو مالک حاکم اور بادشاہ کہا جاتا  
 ہے۔ باوجودیکہ انہیں القاب سے انسان کو بھی مقرب کیا جاتا ہے۔  
 ان مثالوں کو آپ کے سامنے پیش کرنے سے صرف یہ وضع کرنا مقصود ہے کہ خدا  
 تعالیٰ و طاق پر کو نہ درج ہے۔ یعنی انسان کی طرح صاحبِ جسم نہیں اور نہ ہی انسان کے سے  
 خیالات و خواہشات اور جذبات رکھتا ہے۔ "سلطے سیدنا الیسحی کی اہلیت جہاں تا نہیں ہو  
 سکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو جسم سے پیدا ہوا جسم ہے۔ اور جودہ روح سے پیدا روح ہے۔  
 "کلہ اللہ کہتے اللہ خدا سے نکلا ہے۔ اس لئے وہ یحیثیت ذات خدا سے خدا ہے اور  
 یحیثیت جسم کامل انسان ہے۔"

**ازلی بیٹا** اکلام مقدس میں کہیں ایسا اشارہ نہیں پایا جاتا کہ یسوع مسیح خدا کا جسمانی  
 بیٹا ہے اور نہ یہ کہ جب خدا تھا ابنِ اللہ تھا جس طرح "خدا باب" کا شروع نہیں  
 اسی طرح خدا نے ابنِ "کا کوئی شروع نہیں اگرچہ ہمارے حیثیاتی رشتہ میں ایک زمانہ پایا







ہے وہی حقیقی بیٹا ہے۔

گیل کرید سے یہ امر بصر اوت طائر ہے کہ جب کبھی آپ نے اپنے منار گرویل سے خدا کے باپ پر نہ کا ذکر کیا۔ تو کوہاں کبیرا پر یہاں کی جس سے ظاہر ہو جائے کہ خدا ان کا اسی معنی میں باپ نہیں جس معنی میں آپ کا ہے۔ لہذا کلام مقدس میں کلمہ اللہ کے سوا کسی انسان کے متعلق یہ مذکور نہیں کہ وہ خدا سے نکلے یا یہ کہ پیدا انش عالم کا سبب ہے اور نہ کسی انسان کا مین اکوتا بیٹا کہا گیا ہے۔ اور لفظ اکوتا اس امر پر دلالت ہے کہ اس معنی میں کوئی اور خدا کا بیٹا نہیں کہ نہ وہ اکوتا ہے۔

میں کلمہ اللہ کی انبیت ایک لاثانی حقیقت رکھتی ہے اول تقدس کے لحاظ سے دوم لاثانی ختیا کے اعتبار سے سوم عجازی طور کی بنا پر لہذا ہم آپ خود متصف بصفات ذات باری تعالیٰ ہیں پس انجیل کے مطابق سے یہ امر یہی طور نظر ہے کہ کلمہ اللہ نے اپنے لئے ابن خدا کا خطاب ایسے طور پر استعمال نہیں کیا جس سے یہ شبہ پیدا ہو سکے کہ یہ رشتہ خدا کے ساتھ محض جسمانی یا اخلاقی یا مذہبی تعلقات کو ظاہر کرتا ہے جو دوسرے بیٹوں حاصل کر سکتے ہیں۔ سو تو یہ ہے کہ خدا باپ اور کلمہ ابن کو حقیقی انسانی اور اک سے بہت ہی بلند اور بالا ہے اور اس رشتہ میں باپ اور بیٹے کی کامل رفاقت ظاہر ہوتی ہے اور یہ محض ایک نیا تصور ہی نہیں بلکہ ایسا تصور ہے جو ایک صریح حقیقت کا انکشاف کرتا ہے۔ مولانا روم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

مئی گشت و لے چند بریں روئے زین او ..... از بر نصرت  
عیسیٰ شدہ بر گنبد و بزدار بر آمد ..... تسبیح و کلمات شد

عقده لایعقل الخضر لفظ ابن اللہ سے عیسویوں کی قطعاً یہ مراد نہیں کہ مسیح عیسیٰ خدا کا جسمانی بیٹا ہے۔ البتہ قرآن مسیح کو اسی معنی میں روح اللہ کہتا ہے جس معنی میں آدمی اپنے بیٹے کو جان پر رکھتا ہے لہذا ہم اپنے اس دعوے کی ثبوت

میں قرآن کی صرف دو آیتیں نقل کر دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس بحث میں انکار اور اہل قرآن کے درمیان بہت کچھ متغیر ہو جائیگا۔ پہلی آیت یہ ہے انا الہیم عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمۃ اللہ الی امرئ دوحہ یعنی متقی روح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا کلمہ ہے جو ڈال دیا تم کی طرف اور اللہ کی روح ہے (سارح) دوسری بھی ملاحظہ فرمائیے مصریہ ایدت عیسیٰ ابن الماری احقت فرجھا فخرھا فیہ من روحنا یعنی عمران کی بیٹی جس نے محافط کی اپنی شرماء کی اس پوتہ کا ہم نے روح اس کے روح پر (دیکھو ۲) پہلی آیت میں اللہ نے اپنا کلمہ مریم میں ڈالا اور دوسری آیت میں خدا نے اپنا روح مریم میں پھونکا ڈالا اور پھر کلمہ خدا کے نزدیک ایک ہی بات ہے۔ لہذا ہر دو آیتیں خدا فاعل ہے۔ ڈال اور پھونکا فعل ایک طرف اور کلمہ و روح منطوق۔ پس اگر مسئلہ ان کو کوئی امر مان نہ ہو۔ تو وہ ہم کو کشادہ دلی سے بتائیں کہ اس سے بڑھ کر میان پروری میں کمال تعلق اور کیا ہوتا ہے۔

امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کلمہ کے معنی ہیں کہ وہ پیدا کیا گیا اللہ کے کلمہ سے اور اس کے حکم سے بغیر کسی وسیلہ یا ظرف سے (جلد سوم صفحہ ۲۰۷) اور بیضاوی میں ہے کلمۃ اللہ یعنی اس میں (مریم) داخل کیا گیا۔ اور اس میں ڈالا گیا نہ کسی وسیلہ سے جس کے ذریعہ تخم قرار کیا گیا ہے اور اس مادہ سے (جلد اول صفحہ ۱۹) ہم جانتے ہیں کہ جو چیز آدمی ڈالتا ہے اس کو نطفہ کہتے ہیں اور جو خدا نے ڈالا اس کا نام کلمہ اور روح ہے۔ یہ صرف نام کا فرق ہے بغیر کسی دوسری چیز کے پیدا ہوا۔ امام بیضاوی کا یہ فرمانا کہ کسی وسیلہ سے جس کے ذریعہ تخم قرار کیا گیا ہے اور نہ مادہ سے تو یہ نوازہ ان تخم موجود ہے یعنی کلمہ اور روح مادہ ہی سے خود ہے یعنی مریم۔ لہذا تخم سے قرار کیا اور کلمہ کا پیدا ہوا۔ اب اور کون سے ذریعے اور پسے کی ضرورت باقی رہ



جاتی ہے اور اگر کوئی ذریعہ ہے نہ وہ سید ہے نہ ختم ہے اور نہ مادہ ہے تو پھر کیسے پیدا ہوا۔

انجیل مقدس میں بتاتی ہے کہ گذشتہ اقوام تانی ہونے کے لحاظ سے اللہ ہے اور وہ خداست نکلا ہے اور ختم ہونے کے لحاظ سے ابن مریم ہے مگر قرآن شریف میں کوئی اسی معنی میں خدا کا بیٹا ماننا ہے جس معنی میں آدمی اپنے باپ کا بیٹا ہوتا ہے بلکہ کہ بقول قرآن خدا تعالیٰ وہ سب وسائل یعنی کہ تہہ جو آدمی اپنی اولاد کے لئے اختیار کرتا ہے تمام سلمان قبول کرنا نہیں چاہتے کہ بی بی پر اس معنی میں خدا کی عبادت ہے جس معنی میں آدمی اپنی بیوی کو اپنی عبادت کے لئے لیتا ہے بلکہ حضرت محمد جلیل القدر نے فرمایا کہ اس کے لئے کتاب سے سوال کرتا ہے کہ خدا کے جوہر نہیں۔ اس کے لئے کہاں سے ہوا ہا۔

نہیں جانتا کہ قرآن اس کو کیا جواب دیتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ خدا کی جو نوکریوں میں اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جلہ دستھا اتخاذ حجاب واولاد یعنی بہت بلند درجہ رکھنے والے کی نہیں پڑھی جس نے بی بی اور اولاد (رحمن ۱۰۲) گویا کو ذاتی فخر بلند مرتبہ عزت و قدر جو بڑا کامیاب رہا۔

آیت مذکورہ صحت پر ہے کہ بیان کرے والا غیر خدا ہے جو خدا کو خدا نہ کہو سمجھتا ہے اور عام دستور کے موافق کہ گناہ ہے کہ بغیر خود کے کسی کو خدا جوتا تھا ہے یعنی خدا کہے اور نہ خدا صرف جوہر کی عدم موجودگی ہے صرف کوئی وجہ نہیں کہ خدا اولاد سے محروم رہتا حالانکہ خدا کی نسبت ایسا مان کرنا ایک اور تعجب ہے کہ کوئی کہہ جس امکان سے نہیں رہا ان ممکنہ بھی نہیں ہو سکتا کوئی نہیں کہتا کہ خدا نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کی آنکھ نہیں اور نہیں سنا کہ اس کے کان نہیں اس لئے کہ آنکھ کان وغیرہ رفع محتاجی کے آلات ہیں۔ اور حیوانی زندگی کے لازمہ جز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ مستغنی بالذات ہے جو بغیر آنکھ کے دیکھتا اور بغیر کان کے سنتا

اور بغیر جوہر کے بیٹا بھی رکھتا ہے پس یہ محال پیش کرنا کہ خدا کی جوہر نہیں تو بیٹا کیسے پیدا ہوا؟ شبہ پیدا کرتا ہے کہ اگر خدا کی جوہر ہو تو وہ ضرور صاحب اولاد ہوتا تھا نہ کہ خدا کی ذات میں جوہر کا امکان نہیں۔

ان وجوہات پر اہل عرب نے قرآن کو قول البشر کہہ دیا بل قولوا صفات اصلہ سر علی افتخار ہو شاعر یعنی وہ کہتے ہیں کہ قرآن پریشان غمازوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اس نے عجوبت باذعصاب۔ بلکہ وہ شاعر ہے (انبیاء) اس پر آنحضرت نے بڑے دروے شکایت کی وقال الرسول رب ان فرجی الخلل واهل القرآن محجور ہے۔ یعنی کہ رسول نے اے میرے رب میری قوم مجبور کیا اس قرآن کو جو کہ جبکہ (فرقان ص)

لیکن فرقہ قرآن نے بلا واسطہ پیدائش کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن فوق البشر کہہ کر کہا ہے تو یہ قرآن مجید درجہ دلالت کرتا ہے کہ فوق البشر ہے اور

بنی آدم کے سلسلے سے نہیں پتا پھر انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں آدم پہلی کڑی ہے لیکن وہ صورت جس کا سلسلہ اور کڑی نہیں کیونکہ وہ بذات خود ایک کڑی ہے ایک سلسلہ ہے (نوح ص ۳۱) البتہ "انسانی شکل" میں ظاہر ہو کر ابن مریم کہلایا لیکن اس کی انیٹ (انومیت) غیر مخلوق ہے جیسا یہ حیاء و نجی کے منجھپے سے آشکارہ ہے کہ جوہر سے لے کر ایک لڑکا تو کہہ سکتا آدم کو ایک بیٹا سمجھنا کیا اور سلطنت اس کے کاغذ سے ہو گئی اور وہ اس نام سے کہنا تا ہے عجیب مشیر خدا سے قادر اذیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ۔

آیت شریفہ میں کہا گیا ہے کہ لڑکا تو کہہ سکتا ہے جوہر کی بشریت تو مخلوق لیکن اس کی انیٹ (انومیت) غیر مخلوق ہے۔ اس لئے بیٹے کے متعلق "نور" ہو کر نہیں بلکہ "سجنا" لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ازل سے قدام البتہ لڑکا تو کہہ سکتا



جس کی پیدائش کا سبب کوئی انسان نہیں (تو کا: ۱۵: ۳) اور یہ مژدہ قدس رکھتا  
اور قدو قامت میں یعنی انسان بن کر انسان کی طرح بڑھا۔ اور خدا اور انسان  
کی مقبولیت میں ترقی کر تا گیا (تو کا: ۱۵: ۲) حالانکہ اس کا نام خدا اے  
قادر ہے۔ (یسعیاہ ۹: ۶)

پہلے مرے کہ انسان کی پیدائش بغیر کسی انسانی واسطہ کے نہیں ہوتی  
لیکن حضور مسیح کی پیدائش کا ایسا حال نہیں بلکہ اس کی پیدائش اختیاری  
ہے۔ اس کو اختیار تھا کہ بشر بنے یا نہ بنے۔ (فلپیوں ۲: ۷) میں مرقوم ہے کہ اس  
نے خادم کی صورت اختیار کی یعنی اس کو اختیار تھا کہ اپنی مرضی سے ایک  
حالت سے دوسری حالت میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن چونکہ ابن نے بشریت  
کا عامہ ہونا اس سبب سے وہ انسان کی فانی نسل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔  
پس خدا کی حکمت کا وہ ہر تعلق حضور مسیح کے ساتھ ہے یعنی انسانی حیثیت  
ابن خدا اور اعلیٰ حیثیت ابن مریم اور ابن مریم کا عوارض مسیح کی الہی اور  
انسانی ماہیت کا حامل ہے یعنی اتحادی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔

الحاصل خدا نے آدم کو خالق کیا۔ اور انسانی نسل کا سبب بن گیا۔ لیکن  
ابن خدا بچنا گیا۔ اور لفظ بچنا اس امر پر دلالت مسیح ہے کہ ابن نہیں ہو سکتا  
اور واجب بالذات ہے اس کی پیدائش کی کوئی علت نہیں۔ بلکہ وہ تنہا  
خدا باطن کی حیثیت ظاہر ہے۔ آدم پر یہ مطلب حضور مسیح بلا واسطہ  
پیدائش کے سبب جسے ابن خدا ہیں۔ (تو کا: ۱۵: ۳) ویسے میں بھی یہ ایک پہلو  
سے ابن خدا دراصل خدا باپ کے ساتھ ایک ہی ماہیت رکھتا ہے اور وہ مسیح  
پہلو سے وہ بشر ہے کیونکہ وہ مجسم ہو کر ابن مریم کہلا یا۔ یہ الفاظ دیگر کلمہ اللہ  
کی دو حیثیتیں ہیں حیثیت اول الٰہیت اور حیثیت دوم بشریت اور بشری

حیثیت کو خواہ ابن مریم کہے یا ابن آدم بات ایک ہی ہے وہ ہر حالت میں  
غیر مژدہ اور واجب بالذات ہے۔

ابن آدم

اسی ناچہ ربنا المسیح نے ابن آدم کا لقب بھی اپنے لئے استعمال  
فرمایا لیکن اس خطاب سے آپ کے اس مشن کا پتہ چلتا ہے  
جس کے لئے آپ نے "انسانی شکل" میں ظاہر ہو کر صلیبی موت گوارا کی تھی اور  
یہ موت کسی بیرونی دباؤ کی وجہ سے واقع نہ ہوئی تھی۔ بلکہ انسان کی  
بے بسی اور روحانی کشمکش کی وجہ کہ حضور مسیح کے اندر تھریک پیدا ہوئی کہ وہ  
صلیبی موت کا مزہ چکھے۔ جس طرح کسی جھگڑتے چکھتے چکھتے چکھتے چکھتے  
میں دل ہو جاتی ہے اور ہم اس کی مدد سے لئے دوڑتے ہیں۔ اس سے کہیں  
زیادہ وجہ اس پر محبت اور پاک ابن خدا نے کورج انسان کے لئے شرم اور  
بچپن واسا۔ اس کے دل پر ہمارے گناہوں کا بوجھ تھا اس سے اس  
کی وہ حالت سمجھ میں آتی ہے جبکہ وہ یوسلیم کو دیکھ کر رو پڑا۔ خدا مسیح کی  
موت میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کے لئے وہ پہلے سے تیار نہ ہو۔ خود اس  
نے اپنی رضامندی اور خوشنودی سے ان ساری باتوں کو اختیار کیا۔ کیونکہ وہ  
جانتا تھا کہ اس کی موت ہی کے ذریعے خدا اور انسان میں ملاپ ہو سکتا ہے  
اور وقت مقررہ پر اس نے وفادار ضامن کی طرح اپنا قول پورا کیا اور کلوری پر  
ہمارے گناہوں کے لئے اپنی جان دے دی پس حضور مسیح اس لقب سے  
اول اپنے جسم کا اظہار فرماتے ہیں اور دانا گیا اپنے متعلق اس کو ایک خصوصی  
منزلت۔ حال کرتے ہیں۔ یا توں کہیں کہ ربنا المسیح نے ایک معمولی لفظ  
ابن یعنی زندگی صلیبی موت۔ تحریک فیاضت اور طغریاب آدم بنائی کا  
ظہار فرما کر اسے ایک اعلیٰ ترین خطاب بنا دیا۔ اگرچہ آپ کا مرتبہ اس قدر



بلند و بالا ہے کہ کوئی خطاب کا حق آپ کی ارفع ہستی کو ظاہر نہیں کر سکتا۔  
ہم ان خطابات سے جو اناجیل اور قرآن میں مرقوم ہیں ہم کلمہ اللہ کی  
لائق تہائیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ماعرفنا حق حقیقہ  
تیری شان کے لائق ہم سمجھتے ہیں نہ سکے۔

**منقول شرعی** ایسا نیک ہم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہم  
ارنا اسح کو ان معنوں میں اپنا خدا سمجھتے ہیں جن معنوں  
میں وہ خدا کی شان کے نمایاں ہے جو ی کے ذریعہ پیدا ہونے والے کو ہم اپنا خدا  
نہیں کہتے ہم حق تعالیٰ کے قول فعل سے وہی امید نہیں رکھتے جو آدمی کے قول فعل  
سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ خدا کو صبح و بصیر کان اور اسلحہ کی وجہ سے نہیں سمجھتے بلکہ  
بغیر انکھوں اور کانوں کے تصور کرتے ہیں۔ جیسے ہی خدا کی اہمیت بغیر ذات  
شہری تعلقات گئے مانتے ہیں پس حضور مسیح کا ابن اللہ ہونا اس معنی میں نہیں  
ہے جس معنی میں ہم اپنے صلیبی بچے کو ابن کہتے ہیں۔ بلکہ اس لقب کو ہم بنی اسح  
کے اس ادنیٰ و ذاتی تعلق کو جو وہ ذات واجب سے رکھتا ہے ظاہر کرنے کے  
لیے شرعی طور پر استعمال کرتے ہیں نہ کہ حقیقی طور پر لیکن چونکہ کلمہ اللہ کا ظہور  
ذات واجب سے ہے اس لیے ذات واجب کی حیثیت باطن کو "باب"  
(صوالہ باطن) اور حیثیت ظاہر کو (صوالہ ظاہر) کہتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا  
کہ ابن کا لفظ منقول شرعی ہے اور بقول شخصہ

بعد از خدا بزرگ توئی قیومہ محققہ

# مسیح کلمہ اللہ

**ازل سے کلمہ تھا** انجیل مقدس میں یسوع مسیح کو کلمہ کہا ہے اور اس لقب کو  
قرآن نے بلا کم و کاست قبول کر لیا۔ لہذا قرآن میں انجیلی  
اصطلاح کو جگہ دینا گویا اس کے منہم کی پوری تصدیق کرنا ہے مگر قرآن کو انجیل  
کے معنوں میں ذرا بھی اختلاف ہوتا تو وہ اس لقب کو بالکل ترک کر دیتا جیسے ابن  
اللہ کہنے کی بجائے "روح اللہ" کہنا پسینہ بخلاف اس کے کلمہ اللہ کے لقب  
کو یقین و قال قبول کر کے انجیل کے بیان کی تصدیق کی پس جب قرآن کلمہ اللہ  
کی اصطلاح کو بغیر کسی اشروح کے قبول کر لیا تو اب بجز یہ ماننے چاہے نہیں کہ مسیح  
جسٹس سے پہلے بحیثیت کلمہ خدا کی ذات میں شل عقل اور ذہن کے موجود تھا  
اور شل منطق ذات الہی کو ظاہر کرتا رہا۔ گویا کلمہ اللہ خدا کی ذات سے ایسا ہی  
تعلق رکھتا ہے جیسے کہ انسانی عقل انسان کی ذات سے علاقہ رکھتی ہے۔ پس  
کلمہ کیا ہے؟ وہ ایک شے جو کلمہ کی ذات میں قائم ہے کلمہ کلمہ کی عقل  
و حکمت اور اس کی مروج کا اظہار ہے انسان کے ضمیر کا بیان صرف کلمہ سے ظاہر  
ہوتا ہے۔ مگر انسان کلام نہ کرتا تو اس کے خیالات دو سروں پر سر نہ رہ  
جائیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:-

تا مود سخن نہ گفتہ باشد عیب و مہرش نہفتہ باشد

چنانچہ کتب الہامی کو ہی بنا پر خدا کا کلام کہا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ خدا کی مرضی  
آدم پر ظاہر ہوئی اور معلوم ہوا کہ وہ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ تو یہ کہانی  
پس اسراو عالم خدا کا کلام ہے کیونکہ اس سے ہم پر خدا کی لذت اور حکمت عکس شد



مبنی ہوئی ہوگی یہ انکشاف تام نہیں اس لئے عالم کو کلمہ اللہ کا نام نہیں دیا گیا جیسے  
 ہر شخص خدا کا بھیجا ہوا اور اس کا نائب ہے مگر ہر شخص رسول اللہ نہیں۔  
 اسی طرح ہر شخص مروج کے کوئی اور شخص کلمہ اللہ نہیں کہلا سکتا نیز کلمہ خدا  
 ہے میں اپنی کتابیں بخشیں اور ان کو اپنا کلام فرمایا۔ مگر خدا تو ایک شخص موجود  
 ہے لہذا کوئی الٰہی کتاب بھی اس کی کامل شخصیت کو پورے طور پر ظاہر کرنے سے  
 قاصر ہے گی۔ اس لئے خدا نے اپنی بڑی رحمت سے اپنی حکمت و قدرت اور  
 مہربانی کا اظہار ایک شخص کے ذریعے کیا جو انسانی شکل میں انسانوں کے درمیان  
 رہا۔ وہ گویا بندوں کے درمیان خدا کا خلیفہ تھا جس میں خدا اپنے بندوں کے ساتھ  
 بود و باش کرنے لگا۔ حالانکہ کلمہ ہدایت عالم کا باعث بنیاد ہی نبیوں کے ذریعے  
 کتاب اور الفاظ بنا ہوا ہے وہی جسم میں ظاہر ہوا۔ انسان بنا پس کلمہ خدا کیلئے ہے  
 خدا کی ذات کا مظہر جس کی معرفت ہم خدا کو جان سکتے ہیں اور جب اس طرح کلمہ  
 کہا گیا تو ہم خدا کی قدرت و حکمت و رحم اور عدل و انصاف کو اس میں بڑھ  
 سکتے ہیں کیونکہ وہ خدا کا مظہر ہے چونکہ کلام مستقیم کے خیالات کا آئینہ ہوتا ہے۔  
 پس اس طرح کلمہ اللہ خدا کا آئینہ ہے جس میں دیدار الٰہی ہوتا ہے۔ جس نے  
 مجھے دیکھا جس نے باپ کو دیکھا (یوحنا ۱: ۹)

کلمہ قلم بالذات تھا یہ اہل عقل ذکر ہے کہ لفظ لوگوں کو جس کلمہ کو نامیوں سے  
 جو دیوں میں رائج ہوا اور ظاہر ہے اسے خاص طور  
 پر اپنی تحریر میں مجہ دی۔ چنانچہ حکیم ارسطو ظالمین نے کلمہ کے دو معنوں میں بتائے  
 یعنی کلمہ باطن اور کلمہ ظاہر۔ کلمہ باطن سے مراد عقل ہے اور کلمہ ظاہر سے گوشت  
 نطق بالفاظ دیگر کلام کے دو معنوں میں ہیں۔ یعنی کلمہ نفسی اور کلام لفظی اور وہ کلام جو  
 خدا کی ذات میں مش عقل اور ذہن کے موجود تھا۔ اسے کلام نفسی کہہ سکتے ہیں

اور خدا کا وہ کلام جو مش لفظ ذات الٰہی کو ظاہر کرتا رہا۔ اسے کلام لفظی کہہ سکتے  
 ہیں یعنی وہ کلام جو میسوں کی معرفت ہم تک پہنچا اور انسانی الفاظ و محاورات اور  
 اصوات میں غیر محدود خدا کا مثالی بیان ہے۔ اور کلام لفظی اس کے لئے ذات  
 کے طور پر ہے اور جبکہ کلام لفظی مادی اور فانی ہونے کے باوجود کلام نفسی کا  
 مظہر اور ظرف تھا۔ اسے خدا بھی انسان کے فائدے کے لئے الٰہامی کلام  
 کی طرح محدود اور دیدنی جسم میں ظاہر ہوا۔ پس کلمہ سے مراد کسی زبان کا لفظ  
 نہیں بلکہ رقبہ امین اللہ کا ہے۔ لیکن وہ اس لئے کلمہ کہلاتا ہے کہ اس نے  
 خدا کو ظاہر کیا۔ جسے کوئی محاورہ کسی خاص مطلب کو دکھاتا ہے ویسے کلمہ نے  
 انوکھیت کی سادگی شان اپنے جسم سے ظاہر کی۔

کلمہ عین خدا تھا۔ خدا کے ہر ایک جلیل القدر شخص کی سوا کھیری اس کے دونوں  
 طرف سے شریعت ہوتی ہے لیکن قبل اس کے کہ کائنات ظہور  
 میں آئے ازل سے کلمہ تھا اور یہ کلمہ جو قائم بالذات تھا عین خدا تھا کیونکہ ساری چیزیں  
 انہی کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور کہ جس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا  
 نور تھا اور نور تاریکی میں چمکتا ہے مگر تاریکی نے اسے قبول نہ کیا۔ حالانکہ جہالت کی تاریکی  
 روشنی کی آمد پر کانور ہو جاتی ہے مگر اخلاقی تاریکی روشنی کا مقابلہ کرتی ہے جس طرح  
 صبح کے وقت سورج کے طلوع پر رات کی تاریکی موقوف ہو جاتی ہے اور صورت  
 کی روشنی زمین پر پھیلے لگتی ہے مگر کمر جس کے اندر کائنات اور دھڑاں بھرا  
 ہوتا ہے آسمان پر سورج کی روشنی کو چھپا لیتی ہے اسی طرح اخلاقی تاریکی کا حال  
 ہے۔ الغرض جس کلام کے وسیلے سے عالم پیدا ہوئے وہ کسی زبان کا لفظ نہ تھا کیونکہ  
 لفظ بذات خود حوادث ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ حادث کسی محدثات کا باعث نہیں  
 ہو سکتا۔ پس وہ کلمہ عین خدا تھا۔



## فنان الومیت

اعلا وہ انیس کہ اللہ نے اپنے لاشانی اختیار زندہ گی موت اور  
مردوں میں سے تیسرے روز جی اٹھنے کے ذریعے ظاہر کیا کہ آپ  
الاشانی چلے میں خدا کے قاور ہیں جیسے انبیاء نے اپنے معجزوں سے اپنی نبوت اور  
رسالت ثابت کی چنانچہ دنیا میں جسے جس اختیار کا دعویٰ کیا انبیاء میں سے کوئی  
بھی اس قسم کے دعویٰ کا ملکی نہیں ہوا اور جس اختیار کے ساتھ آپ لوگوں کو تعلیم  
دیتے تھے اور جس اقتدار کے ساتھ آپ معجزے کرتے تھے تمام پیغمبروں میں آپ  
کی برتری لازمی خصوصیت ہے۔ انبیاء خدا تعالیٰ کے نام سے الٰہی مینام کا آغاز کرتے  
تھے لیکن اس کے برعکس آپ اپنے نام و اختیار سے کام فرماتے تھے چنانچہ آپ  
تو رب کے احکام کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم میں چکے ہو کہ انگوں سے  
کہا گیا تھا خون نہ گرنے میں تم سے کہتے ہوں۔۔۔ الخ یہ معجزہ میں تم سے کہتا ہوں  
اُس اختیار پر دلالت کرتا ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں تھا اسی طرح جو معجزے  
پیغمبروں سے دیکھے وہ اُن کی ذات سے تعلق نہیں رکھتے تھے مثلاً حضرت  
موساؑ کے لئے حکم کے مطابق زمین پر لٹائی ہوئی کھجوریں اور وہ سانپ بن گیا جس سے  
موساؑ خوفزدہ ہو کر بھاگے اگر آنحضرت قاور ہوتے تو جیسے کہ یوں اور اگر  
آنحضرت جانتے بھی نہ تھے کہ لٹکیا ہوئی کھجوریں سے کیا ہو گا لیکن ربنا میں سے معجزات  
آپ کی اتموہیت پر دلالت کرتے ہیں یہ کیونکہ جس طرح باپ مردوں کو اپنا قاور  
زندہ کرتا ہے اسی طرح بیٹا بھی چاہتا ہے زندہ کرنا ہے (روحا ۱۱: ۵)  
مردوں کو زندہ کرنا قاور خداوندی ہے جو الٰہی و یسوعیت الٰہی ہے۔  
اور اگر یہ شخص درمیانوں میں لیکن خداوند تعالیٰ کی اس خاص صفت سے رہنا چاہتا  
ہے تو وہ اپنے آپ کو الٰہی قدرت کو دیکھ کر جب اختیار رکھتا ہے تو ثابت کہ وہ  
ذات اور عقل مجسم آدم

## کام مجسم ہوا

مختصر یہ کہ کلمہ بصورت ابن حرم دنیا میں تشریف لائے لیکن آپ کے  
موجود کی ابتداء بنی آدم کی طرح ابطین اور میں نہیں ہوئی بلکہ آپ اس  
سے پہلے ہوئے تھے اور ایک مستقل مسبق رکھتے تھے۔ جی کہ ہم مادر میں آنے کے  
قبل بھی آپ کلمہ کے نام سے پکارے جاتے تھے اِلا کہ نے آپ کا ذکر اسی نام  
سے کر دیا بنی سے کیا اور خبر دی کہ یحییٰ و عیسیٰ کا کلمہ من اللہ یعنی کسی  
اللہ کے کہ اس طرح کے تصدیق کرنے والے ہو گئے۔ اب وہی کلمہ دنیا میں آیا اور الٰہی  
صورت اختیار کی اور کسی نامعلوم طریق سے ہم صدف کی طرف منتقل ہوا اور اُن صفت  
کو قرآن نے القضا الیٰ حرم سے تعبیر کیا یہ ہم صدف کی طرف کلمہ کا آنا معجزہ اس  
کے کہ کوئی معنی نہیں رکھتا کہ کلمہ میرے بطن اُطر میں آیا مجسم ہوا۔ انسان بنا جو پہلے  
کلمہ کا آنا تھا اب دنیا میں اس نام سے مشہور ہوا یعنی روح عیسیٰ ابن مریم  
تو ربیت بشری میں حرم ہے کہ خدا کا عجیب مسموہہ وہ شیکہ ہوا جو  
عالمی ظہور  
قرآن میں سبکست یعنی تسلیم کلاما ہے (سورہ بقرہ ۱۰۱) سنت محمد صلی  
اور حضرت ابوبکرؓ برائے ان کے اور جبکہ وہ کہ سے جرت فرما کر غار ثور میں چھپے تھے اسورہ توبہ  
حضرت موسیٰؑ کی کتاب تورات ۲۴: ۱۰ میں خدا کے عارفی ظہور کا بیان ہے کہ جب  
ایک رشا شعلہ فلان عزمہ جل نہیں بنا تھا چنانچہ آنحضرت موسیٰؑ آگ بجھ کر برتنے کے  
نزدیک جاتے ہیں کہ آگ میں سے شعلہ فرمایا کہ اے موسیٰؑ میں خدا ہوں اپنے پاؤں سے جوتا  
انکار کرنا کہ یہ جگہ جہاں تو کہنے سے تقدس نہیں ہے تو ان میں اس نام کو دیکھو کہ جب موسیٰؑ  
اللہ کے نزدیک آیا اور جو ہے وہی آواز الٰہی کہ اسے موسیٰؑ میں ہی اطاعت العالمین ہوں اسلئے اپنے  
پاؤں سے دونوں جوتیاں اتار کر تو خدا کی راہ میں ہے (سورہ قصص ۳۰) سورہ طہ ۸۰  
الاعتراف زندہ آدم سے لیکر خدا کا عارفی ظہور کسی نہ کسی دیدنی منظر میں ہوتا  
ہوا اور آخری زمانہ میں خدا کا عالمی منظر لکھنے سے تھا یہ کہ اگر خدا کا









وہ بھی کہ آپ خدا سے برحق کے کلمہ ہونے کے باوجود دیگر انسان فی میں ظاہر ہوئے۔  
 چونکہ آپ بہترین خدایتی یعنی کلام مجسم تھے۔ اسی باعث آپ کو ابن مریم کے لقب سے  
 منسوب کیا گیا۔ اس آیت کی تفصیل سورہ بقرہ ۱۲۹ تا ۱۳۲ آیات میں موجود ہے اس  
 سے بڑھ کر آپ ایسا ایسی جندی مردہ کی دیکھ فی دینے میں جس پر تمام بندیاں ختم ہو  
 جاتی ہیں۔ روڈ آپ کے خطاب روح اللہ سے ہی مرہونی ہے۔

نسبتہ نیست بہ من تو بنی آدم را برتر از تمام و ذم تو چہ عالی نسبی  
 انصر سرمد میں سحر کی عظمت دیگر نبی است نہایت ہی رفیع اور عالی طہراتی  
 ہے کیسی یہ کوسن مقررین صلیا و کسبی بت اللہ اور کسبی پاک کلمہ اللہ لکھ کر کی الہی  
 ذات پر شریعت کی اور روح اللہ کہہ کر آپ کی اوست کی سب شہاد کیا اور کسبی  
 وجہی صافی اللہ تبارک و تعالیٰ کا خیر کے ساتھ آپ کی وعدہ کی جو حواس کا  
 مظاہرہ کیجئے کوئی کہہ لے کہ آپ کے کہہ کر روحانی درجہ روح سوی کا ذکر ہے  
 اور لہذا اس کو فی اپنے فکر کو روڈ کوٹ کوٹوں کو کٹوں کوٹوں میں نہ کیا تب سے  
 ہیں سچ تو یہ ہے کہ

شان رفیع تر ہے تب علی تبارک و تعالیٰ کہ کوئی تانی میں حد یہ  
 اعجازی ظہور **شیخ کلمہ** اللہ کی ہنیت مجھے کے لئے یہ استقامت کا یہ ظہور  
 اور عالی درجہ کی نہ ہوگا جیسا کہ فرم ہے۔ ولان قلت الملائک  
 یا مریضان اللہ یشریک بکلمتہ من المیام عیسیٰ ام من صلیک وجہا  
 فی الدنیا والآخرۃ من حقین ہذا زشتہ نے فرم فرم فرم تو خبری نہیں ہے  
 کوئی ایک کلمہ کے جس کا نام عیسیٰ ابن مریم ہے وہ عزت والا ہوگا جیسا کہ فرم فرم  
 کے بزرگ ہوگا قاتل الی بکون الی جلد نیسنی بشر۔ مریم  
 نے کہا اسے میرے پیر کا میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی مرد

نے نہیں چھو، قال کذبت بخلق ما لا یشاء ان یفعلہ الا انھو لکن فیکون  
 کہنا یہی ہوگا اس پر یہ کہتا ہے جو چاہے جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھہرا اقبال سے تو  
 کہہ دیتا ہے ہو جا، ورون کام ہو جاتا ہے (عمران)

**گنہگاروں سے جدا** اب ذرا اسی بات پر دیکھیے اس نے اپنے کلمہ کا لباس  
 ہانے سے یہ کتب بڑا استہام کیا کیس طرح میرے صدیقہ

بطن مازہی سے خدا کے نذر ہو چکی تھیں۔ خاست احرار علیہم السلام ربانی نذرت  
 دلہا فی بطنی عمر افضل ہستی اپنے عمران کی عورت نے کہ میرے رب جو کچھ  
 میرے پیٹ میں ہے میں نے یہی ذکر کیا تو اسے میری طرف سے قبول کر لیا تو  
 جب صدیقہ میرے پیٹ میں تو یہ کی والدہ رحمہ نے خدا کے حفظ و امان میں ہوئی  
 وادائی اجدادہا و نذرانہا من الشیطان الرجیم کے میں اس  
 کو اور اس کی والدہ کو نجات مرود سے یہی فی دین دیتا ہوں (عمران ۳۲ و ۳۳)  
 آج کل کے زمانوں میں بھی اس بے شیطانی کی کاجال تھی کہ صدیقہ کے پاس  
 چٹکے حاکم بھی رہے کہ مریم اور ابن مریم دونوں مس شیطانی سے محفوظ رہے  
 نہ کہ ان کی بدانت کا عالم کہ قانون ہے کہ بڑا بچہ خواہ وہ ولی ہو اور مول  
 یا نہ شہ مادر سے نکلتے وقت مس شیطانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی پہلی  
 تیغ مس شیطانی کے باعث ہوتا کہ وہی ہے مگر سوئے مسیح و صدیقہ کے کہ ان کی اور  
 مس شیطانی سے محفوظ رہا۔ صحت من و ولد الی الشیطان عیسٰی و احببن  
 عقل صا حدین من الشیطان اباء و اھل و ابھما (متارقہ ۱۲۰)

حدیث نمبر ۵۲۹

اس کے سوا صدیقہ کی نشوونما خدا کے شہ سید لا تعصی، لذلٰی ہو سکتا حوالہ  
 میں ہوئی اور آپ کی تعلیم و تربیت پر ذکر کرنا بھی ضرور کے گئے، افسوس کہ یہ ذکر کرنا  
 کو

اس کا کفیل بنایا (عمران) آسمانی خوراک درختوں سے عند اللہ سے آپ کی پرورش  
کی گئی (ماکہ) بھلا جس کی طرف بینام و بی گناہ لائے ہوئے ہیں ان اللہ اصطلاح  
اسے مریم سمجھے پسند کیا اللہ نے وہ حضرت خجندیہ پاک بیوا اصطلاح علیٰ نساء العالین  
اور سبک جهان کی عورتوں پر بھی برگزیدہ کیا۔ (عمران ۳) اور جس کا بطن برلوت سے  
مستزاد ہو چکا تھا کس مرتبہ کہ یہ بطن کی پختہ اس تک ہوئے۔ اور ہو چکا کہ یہ  
نقی جبکہ خدا نے فتنہ ہمارے بھائی قبول حسن بی مقبولیت میں سے ماہ عمران  
اور یوں اس طرح بیکار کو یہ ہدیہ میں معلوم کر رہے یعنی مخطا دم تحلات فی سرت  
آدم نے خط کی اور اس بدبختی کی اور وہ بھی گناہ گار تھا۔

اب وہ بطن جو برلوت سے مستزاد ہو چکا تھا خدا نے کسی معلوم روحانی عمل سے  
اپنے کلمہ کا آسمانی ہوس پہنایا بھلا کس طرح خدا نے یہودیہ کو پسند کیا کہ وہ اپنے گناہوں  
تک میں پاپ کی نسبت مواتے اپنی امت میں ذلت کے کسی و طرفت فساد ہونے کا  
اس چوٹی کی تعمیر اس مکتب میں یوں نہ کہ دے نہ صدیق سے کہا کہ زور  
مقدس تجرید نہ ہوگا اور جس نے اس کی قدرت بخیر و شر کی سبب  
و دیار کیزہ جو پیدا ہونے والا ہے خدا کا بیٹا کلامی گارہ ۱۲۷

### انکشاف حقیقت

اے اے ہم مژوم اگر سرچ کے ہاڑیں طرین اور ہاڑیں  
سمجھنے دیتے ہیں کہ کیوں قرآن متدین نے بنات  
پاکیزہ خطاب کیا اور اس کی بجائے کیوں ہم معنی پاک و موصوفہ  
سوانح دیا ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں کے خیالات میں نہایت  
ایک برکت ہوئے وہ انہوں نے اس پاک اصطلاح کو کسی ناپاک معنی میں رکھا  
خدا جس کی وجہ سے کثافت نہ معلوم نے اس مبارک لقب کو ترک کیا اور اس کی جگہ  
ہم معنی الفاظ کو روئے و احسن کا ہتھکان توں کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقرر کیا

معلوم ہوئے۔ مثلاً جہاں فی خداوند سبحان کو خدا کا عہد بھی کہتے ہیں اور خدا کا کلمہ بھی قرآن  
نے وہ مصرع اصطلاح کو بھول رکھا اور سبکی کی بجائے اس کے ہم معنی پاک و موصوفہ  
اصطلاح کو روئے و احسن یعنی مروت و تدین کے معنی خدا کی جان ہے بیٹے کے  
بنے بہت سے سخاوت رائے ہیں۔ اس کو قرۃ العین بھی کہتے ہیں اور جان پر  
جی لیسے ہیں۔ وہی جان پرہیز کی اصطلاح قرآن نے اختیار کر لی اور بجائے بیٹے  
کے خداوند سبحان کو خدا کی روح کہہ کر عرب کے درمیان بہت سے فساد خیال پھیل  
تے مشورہ و رسول و خدا کی بیٹی کہتے تھے اور گونا گویا کی طرح دیوتاؤں کو  
خدا کے بیٹے مانے تھے۔ درختا بیٹہ بیٹیاں اصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ محض عرفی  
معنوں میں سمجھتے تھے۔ یوں یوں کے مامور دیوتا۔ آسمانی جاندار کی طرح مری پتے  
و لے تھے۔ یہی سب کافروں کی مہم و مہم کا ہے۔ اگر وہ مہم ہے سبباً بھی ہے  
مگر کشتن سے و روئے میں ہے۔ اگر وہ مہم ہے دیوتا ہی ہے۔ بلکہ ہندوؤں کے  
کی بات ہے۔ مسلمانوں نے بھی مسیح کو خود مہم کہہ کر کھتے تھے۔ یہ من سبب  
اس وقت میں خدا کی اصطلاح کو نہ روئے جائے۔ اور اس اصطلاح کے  
یوں و دیگر کے نہیں خیالات مل گئے ہیں۔ اس سے یہ نادان بہت پرست  
کہیں دھوکا نہ کھائیں۔

### لفظی نزاع

اے وہ مصلحت جس کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بن اللہ  
کی پاک اصطلاح کو لفظ روح اللہ کا لباس پہنایا اور نہ لفظ  
ابن اللہ کے رکھنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم میں ہوتی۔ جبکہ قرآن نے نبی کو اپنے  
مجدلی خطاب سے متبذیب کیے ہیں کی بغیر تاریخ مذہب میں نہیں کر سکتی۔ غرضیکہ  
مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان صرفہ نہی ذات ہے۔ اس کے معنی پر کوئی اکثر  
نہیں بن اللہ کے ذہنی معنی میں جو روح شد کے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ



صدائی سے وزن کتاب ہے بدخلق انسان من عین شروع نبات  
کی پیدائش منی سے ہے جمع جملہ من سلالۃ من ماء مقبوس یعنی نبات  
کی اولاد پھر پڑتے پانی بے قصد سے (سجدہ رخ) لیکن سوال یہ ہے کہ سیدنا  
کیوں از نسل آدم کے اہل قلوب کے تابع نہیں رکھے گئے ہ کیوں خدا  
تعالیٰ نے پسند نہیں کیا کہ یہ کلمے کے کاہد کو اس غیر مصلحت سے بنائے جس  
سے آدم پیدا ہوا ہے اس مادہ میں سے بنائے جس سے نسل آدم کی افزائش  
ہوتی ہے اگر وہ ایک دفعہ روٹ لو کیا اس بڑے معجزہ کا رت جاری نہ کیا ایسے عظیم الشان  
معجزہ کا مقصد کچھ نہیں ہے کیا یہ محض سچر کا تھیل تھا اور بس یہ نہیں ہرگز  
میں۔ اس عجزی ولادت کی بھی ایک غایت ہے جو تمام غیبات سے ارفع  
ہے۔ اس نورانی طور پر بھی ایک مقصد ہے جو تمام مقصد سے بلند تر ہے۔  
وہ کیا ہے ہرگز نہ سمجھتا ہوں۔

شفيع المذنبين

کلمہ مقدس میں مدح کا یہ معنی مدح کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان فاضل تہذیبیہ  
پہنچا کر ایسا ہی کہ یہ اس کو ہائی اندھوں کو ہائی اور جسے وہ ان کو آزاد کیا۔ کیونکہ اگر  
کھوئی تھی جیسا کہ انہوں میں گر وہ نہ ہوتی تھی۔ آزاد سے بدلتے ہیں ان کا  
یہ جان ہی ہے اور اس میں ہم وہ نہ جانتے تھے کہ ان سے بدلتے ہیں۔ حق بھی  
ہے۔ اور ان کی زندگیوں میں اس پر ہوتی ہیں۔ ان کی زندگی نہ صرف اس  
کے لئے ہے بلکہ ان کے فدیہ میں ہی وہ ان کی بہت اور ان کے لئے ہے۔  
ہیں مگر وہ نہ جانتے تھے کہ وہ ان کے لئے ہے۔ ان کی بہت اور ان کے لئے ہے۔

جو ابن اللہ کا یہ عدل تعجب ہے اس کے اظہار کرنے میں انسان کی زبان تو کا صریح  
چاہے! اسے روح اللہ کہو، ابن اللہ کہو، بت ایک ہی ہے وہ ہر حالت میں کلمہ پڑھا  
ہے جو ترم کی طرف لٹا کر گیا۔ یعنی حق تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو ترم صدیق کے لہجہ  
مطہر میں لکھ کر روحانی عمل سے پہنچا کر اسے انسانی لباس پہنایا۔ ابتدا و ابتدا میں کلمہ  
تھا اور کلمہ قد کے بعد تھا۔ و کلمہ تھا تھا، اور کلمہ مجتہم تھا، و فضل اور  
سپہنی سے متور ہو کر ہمارے درمیان رہا۔ اور ہم نے اس کی معنوی ہی میں سے  
سبب قیام یا یعنی فضل و فضل۔“

آسمانوں سے بلند | کتاب تک ہم مسیح کی عظمت و فیوض کا تذکرہ کر رہے ہیں۔  
پائے وہ بے مثل ہیں۔ وہی ایک ہے جو نہ کروں سے جدا اور آسمان سے  
بلند ہے۔ آپ روحِ شہد ہو کر بھری صدیقہ میں قسے بفتہ سے کلمۂ حق کو پیر  
یہ صوفہ بر سرِ نور فرمایا۔ انوش صدیقہ میں آتے ہی نور کا پکا سجاوا چھٹنی، لہجہ  
تیب کا منجھڑا ہوٹا جس طرح طے آپ کا عجائزی نور ہوا۔ ایسے ہی آپ کی  
جلالی زندگی تھی۔ آپ کا ہر قدم العجائزی اور ہر دم امت اللہ علیہ وہ آپ کی  
زمرہ اور قائم ہے اور بڑی تخلیقات کے ساتھ آسمان سے زبردست اور بے حد  
کون ایسا بے نیحت ہوگا جو گونا گوں ہی جہاں کو گھونڈ کرے۔

محمّدی | ایں جگہ اس صنف میں کئی خطرات و دودھ ہیں مابو ہم نہایت  
ادب سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عجازی و ماوت کا راز اور مقصد کیا  
ہے؟ و کہوں سلسلہ حق و باطل کی پیدائش میں لوگ جگہ جگہ بظلمت کا ایک  
خانوں جاری ہو کر دھندلے رہ چکے ہوں۔ اب آپ کے نقطہ سے پیدا ہوں کہ







فائل میں نہیں نکالا، اگر کلمہ اللہ کے ترسے یا نکل مختلف ہے، شاعر اور نثری سفر  
انسان کے ذہن پر اپنی دھماک بٹھ سکتے ہیں مگر مرضی پر نہیں لیکن کلمہ اللہ  
اس کے برعکس انسان کی مرضی اور حیثیت پر غائب آتا ہے، بلند ہمارے اندر  
زندگی کا دم چھوکتا ہے ہمارے وجود میں بذریعہ ہماری رگوں کے جس کی  
رگوں کا کھڑکتی ہے جس کی مرضی ہمارے مرضی کے اندر اس کا باک و بگناہ  
نیز ہمارے گردے سے جھڑکتا ہے، و قیام بنتا ہے، بعد منبسط و مضی  
مگر و مرضی پر ترک فی سببہ سوزیت رہنا اس کی اپنی زندگی ہمارے اولی زندگی کو  
مبتدل و بلند کرتی ہے، عیسے کر و دخت شرف سے درخت سے یہ درخت  
میں چھل و تاب ہے اور لوگوں اس کا چاکر و سبک و خاصیت مرضی ہے اور  
میں دخت کی حاضیت اس میں آتی ہے، سہی طرہ کلمہ اللہ نہ رہا کہ  
پر کو تاپے جو اس سے جو سنت ہیں

آئیے رہنا صبح کا منہ بڑھو اور سوئے ہوئے رہنا۔ آپ دیکھیں کہ وہ  
زندگی کے دروازے سے ہماری دنیا میں داخل ہوئے اور موت کے دروازے  
غائب ہو گئے۔ اور ہمیشہ آدم کی طرح رہ گئے۔ ہوس نہ کیے گئے۔ گرسہ نہ  
کھائیں۔ افسانہ و نغمہ خطر نہ اور خوف نہ کوئی نہ بن گئے۔ یہ سب  
ہمارے رہنا ہم بڑا کیا یعنی جوں کا وہاں۔ بپہر اور نیم پر کھانے  
نہ ہو جائے۔ نہ مراد (موت) اور ان کے بعد نہ رہے۔ پوچھئے کہ آپ  
کہہ رہے ہیں، اور آپ کہتے ہیں، اور ماہ کیسے دیکھتی ہیں کہ وہ  
گلاب ہو جائے۔ اور وہ دور دورہ حیرت میں ڈوب جائے۔ کہ وہ کہہ کر دیکھ کر  
پوچھا رہے ہیں۔ لیکن یہ صرف اس کے بعد ہی اس میں کھینچ کر لے گئے ہیں۔ کہ ہمارا  
کچھ نہ دیکھ نہ رہا ہے۔ اور ان سب کو اپنے پر قادر ہے۔ جو اس کے

وہ اپنے خدا کے پاس گئے ہیں۔ اس پر انہوں نے ۲۵۰۰ کیونکہ ”وہ آج ورکل کیلئے بہت کم ایکسٹنڈ ہوئے۔“

خیلی کھلم کھلا ہے کہ ہمارے بھائی و بہنوں کو بغیر مرنے کے، ہم وہ  
 فی الجہت سے، نہ تو اس کے لئے کسی کی طرف سفر کر رہے ہیں، نہ  
 وہ اس کے لئے کسی کو بلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (۲۰/۱۲) وہ پیش رو  
 دہلی کے پتہ پر، اور اس کے ساتھ ہی چل رہے ہیں۔ یہی بات سن کر  
 فرمایا: "کون ہے؟" یہ سب کچھ سن کر میں نے کہا: "یہ وہ ہے جو میری بہن  
 کے لئے تیار ہے۔" اور میں نے کہا: "یہ وہ ہے جو میری بہن کے لئے تیار ہے۔"

[illegible]

ربنا، میں دعا کرتا ہوں کہ اس نے اپنی شخصیت کی عظمت  
کا جہن تاج پہنایا ہو۔ اس سے پہلے مرزا دہلیہ سے پہلے ہی ساری تہذیب  
کا یہ نظریہ لایا تھا۔ مگر اس نے اسے اپنی زبان سے کہا کہ تو نہیں  
— اے میرے بھائیوں! — اس سے کہہ دو، جب سے جو وہ بیوناہ کے ساتھ  
گرتے ہیں۔ رومی شوکت اور غنیمت کے علمبرور، رومی انسان کو غم نہ دے اور  
ان کو تو چاروں طرف سے چھروں دینے کے لئے افریں کر کے، مگر غنیمت



ہندوستان میں کوشن مہاراج نہایت استقلال و منانیت سے زمین کو اپنے  
 ہی بھائیوں کے خلیفہ تموار جلائے کے لئے اُتار دیا اور استقلال دلاتے  
 نظر آئے۔ عرب کا آگئی نبی اپنے اللہ کے حکم کے مطابق کافروں اور منافقوں سے  
 جہاد کرتے ہوئے۔ (سورہ الحکیم آیت ۶) اور مسلمانوں کو لڑائی پر ابھارتے  
 (سورہ انفال آیت ۶۴ تا ۶۸) ہوئے دکھائی دیئے۔ اس کے برعکس حضور  
 نہایت ملائم اور شفقت آمیز لہجے میں یہ فرماتے ہیں کہ تمہارے آسمانی باپ کی  
 پرستی نہیں کہ ان چھوٹوں میں سے کوئی مہاک ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ خود اذیتیں نہیں  
 عموماً لغت کے لئے بالحد آٹھایا۔ ستم سے اور کم کئے۔ گلاباں میں کبھی  
 کا گلہ کاٹنے کا تو کیا ذکر خود اپنا گلہ کاٹنا لیا۔ اور دوست و دشمن کی خاطر اپنی  
 جان دے دی۔

**استحرام نفس** کلمۃ اللہ نے احترام نفس کا سبق دیکھ کر قسم کی خود بینی اور  
 ایذا رسانی کو بند کر دیا۔ پہلے سب سے زیادہ قابلِ عزت ہستی  
 وہ کہلائی تھی جس نے زیادہ سے زیادہ انسانی زندگیوں کو موت کے گھاٹ  
 اتار دیا جو جس نے شہر کے شہر تاراج کئے ہوں۔ جس نے ہزارہا کی تعداد  
 میں غلام بنایا ہو۔ لیکن مسیحیت کا باقی اپنی حق پرستی اور کامرانی کا عیوان  
 چھوٹتا ہے کہ ابن آدم اس لئے آیا کہ اپنی جان بستیروں کے بدلے دے  
 میں دے اور اعلان فرمایا کہ جو کوئی اپنی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔ وہ  
 اسے کھوے گا اور جو اسے کھوے گا وہ اس کو بچائے گا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ نکلا  
 کہ لوگوں میں خود نگاری کا جذبہ آگیا۔ اور مسیحیوں نے دنیا کی بھلائی کے لئے اپنا  
 تن من اور دھن لگا دیا۔ غرضیکہ مسیحیت کی روش سے کامیاب شخص وہ ہے جو  
 اوروں کی بہتری کے لئے سب کچھ حتیٰ کہ اپنی قیمتی جان تک قربان کرے

کیونکہ بری کا جواب نیکی ہوتا ایسا پروگرام افراد اور اقوام کی زندگی اور بھلائی  
 موجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر بدی کا جواب بدی سے دیا جائے اور اینٹ کا جواب  
 پتھر سے دیا جائے تو کیا لائحہ عمل افراد اور اقوام کے فنا کا باعث ہوتا ہے۔  
 خود اپنے ملک، پاکستان کے دورِ حاضر کی تاریخ پر نگاہ کرو۔ تو اس صداقت  
 کی مثال پاؤ گے۔ ہندوستان کا چھ مہینے کے بعد مہاشیروں کو اختیار کر کے بھلا اور  
 زندگی حاصل کی، بلکہ دنیا پر ثابت کر دیا کہ مہاشیروں کے حصول صبر و ضبط  
 کے ذریعہ دنیا امن عامہ قائم کر سکتی ہے۔

آدمی صبر و ضبط سے پہلے انسانیت کی پسند چاہتیں ایسی نفسِ حق  
 کی زندگی اور مال و جان کے ساتھ ہر قسم کا اثر اس کو جائز سمجھا جاتا تھا کہ وہ ظلم و تشدد  
 اور جھوٹائی کے لئے سخت مشق بنائے جاتے تھے۔ اس مظلوم طبقہ میں وہ گروہ بھی شامل  
 تھا جسے عورت کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔

چنانچہ کلمۃ اللہ سے پہلے ہی اسرائیل کے درمیان عورت مرد کی خادمہ تصور  
 کی جاتی تھی۔ بہت پرستوں کے درمیان جیسا کہ آجکل ایشیا کی تمام اقوام میں وہ  
 نگاہ طور پر مرد کی داسی سمجھی جاتی ہے اور اسلام میں عورت کبھی کسی کا درجہ نہ تھی  
 ہے۔ (انقرض آیت ۲۲۲) مرد عورتوں پر حاکم ہیں (نساء آیت ۳۴) شوہر اپنی بیوی  
 کو مار پیٹ سکتا ہے ایک کی بجائے دو مری بدل سکتا ہے۔ (نساء) طلاق  
 دے سکتا ہے (نساء) ایک ہی وقت میں چار چار بیویاں رکھ جاتا ہے (نساء)  
 اور اس کے علاوہ لونڈیاں بھی رکھ سکتا ہے۔ (سورہ نساء آیت ۲۴) اگرچہ  
 بعض عورتیں اپنی بیعت اور خاندانی عزت کے باعث اپنے درجہ سے بڑھ کر مرد  
 کے پہلو پر پہنوناظر آتی ہیں۔ لیکن عام طور پر مرد کا کھلو نا بھی جاتی ہے لیکن جب  
 کلمۃ اللہ نے بنی آدم کا چھٹکارہ اپنے ذمے لیا تو اس نے کلواری کے رحم سے



نفرت نہ کی جس کے باعث مفقودہ میں کئی عورتوں کی ذات بلند ہوئی اس کو وہ درجہ ملا جو کبھی کسی کے خواب و خیال میں نہ تھا اور ایسا اعلیٰ درجہ کوئی اس سے چھین نہیں سکتا۔ مگر ضمیمہ کبھی نقصان کا دائرہ میدان جنگ نہیں۔ بلکہ سزا کی مدد بیماروں کی تیمارداری اور مفلکوں و مفلوک کی خبر گیری ہے۔ رحمت کا ایک خاص کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی عر و ر و کا پن فدا کر کے اس کی جگہ علم و حکماء خلق و تپاک و تسلیم و رضا، لغت و محبت کے جذبات کو روزمرہ زندگی کے فرائض کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

**خداوندی ملاپ** یہ صرف حضور مسیح کی قلبیہ کے بیرونی نتائج ہیں لیکن اتفاقاً کہ ایسے اثر اور نتائج کسی زبردست فطری مدد اور مصلح کی محنت سے برآمد ہوتے ان باتوں کے لئے خدا کے مجسم ہونے کی ضرورت نہ تھی حضور مسیح کے تجسم نے انسانی احترام کے علاوہ اور بہت بڑے بڑے کام کیے۔ مگر اللہ اس لئے مجسم ہو کر انسانیت میں داخل ہوئے کہ ہماری انسانیت بلند ہو خدا نے ہمارے پیچ کو اس لئے لپیٹ لیا کہ وہ ہم پر ظاہر ہو اور وہ دیوار ہو خدا اور انسان کے درمیان بڑا اٹھ جائے۔

اس میں شک نہیں کہ تصور مسیح سے پیشتر بھی انسان خدا کی نسبت سوچتا اور اس کی عبادت کرتا تھا لیکن اس کے باوجود خالق اور مخلوق کے درمیان ایک دیوار تھی لیکن اللہ کے مجسم ہونے خالق اور مخلوق کا ملاپ کر دیا ہے۔ آسمان اور زمین میں اب ایسا باندھارے کے لئے فرق نہیں۔ لہذا حضور مسیح کی عظمت اس کی لامتناہی قلبیہ سے نہیں۔ بلکہ اس کی ذات سے ظاہر ہوتی ہے۔ مسیح تو یہ ہے کہ وہ بذات خود تعلیم کا وہ محض نئے خیالات کا ایسا سورہ تھا۔ بلکہ سزا یا خود ایک مکاشفہ تھا۔ وہ صرف خوشخبری دینے والا نہ تھا۔ بلکہ خود خوشخبری تھا وہ

صرف خدا کا کلام سننے والا نبی نہ تھا۔ بلکہ خود خدا کا کلام تھا۔ وہ صرف ایک لیکر و نیا نہیں آیا تھا بلکہ خدا کو لیکر آیا تھا۔ درحقیقت وہ انسانیت کے پردے میں خدا کے ذوالجلال تھا۔ میں اور باپ ایک ہوں۔ (یوحنا) میں باپ میں باپ اور باپ مجھ میں ہے۔ (یوحنا) میں خدا میں سے نکلا اور آیا ہوں۔ (یوحنا) جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا۔ (یوحنا) اور بقول شخصے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی لذت ہے کبھی ہم آنکھ کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں اب تک میں یہ ثابت کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو چکا ہوں کہ مجسم میں خدا کی محبت کا سماں ہماری آنکھوں کے سامنے بندھ جاتا ہے کہ اس طرح خدا نے مسیح میں ہمیں پیار کیا۔ ہماری نجات کا بذریعہ است کیا۔ اب کس طرح سے اپنے پاس بلا تا ہے اور کس طرح سے مسیح میں انسانی ذات و انسانی صورت اور انسانی زبان اختیار کرتا ہے اگر ہر برگ و ثمر میں نقش کر دیا نظر آتے ہیں۔ تو کیوں خدا کا انسانی جامہ پہننا غیر ممکن تصور کیا جائے جبکہ وہ اپنے کیر کی طرح کے ظاہر کرنے کے لئے کرے۔

یہ نہیں کہ مجسم میں خدا خدا نہیں رہتا اور نہ ہی وہ منقسم ہوتا ہے بلکہ یہ کہ تجسم میں خدا کی ان کبھی صفتیں صاف نظر آتی ہیں کیونکہ اللہ الوہیت کی ساری کمزوری کلمہ اللہ میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔ پس تجسم میں خدا اپنی لامتناہی صفت کو جو ہماری سمجھ میں نہ آ سکتی تھیں ان کو برطرف کیا۔ اور ہماری مایہ ناز بشریت کو ہم پر اپنی محبت اور رحم کو ظاہر کیا۔ جسے دوسرے میں کسی نے سنا ہے کو پیدا نہیں کرتی بلکہ ان مساکروں کو جو سلب و دوزی کے ہیں دکھائی نہیں دیتے ہم پر ظاہر کرتی ہے یا جیسے سورج اپنی چمک اور تیز روشنی سے ہماری آنکھوں کو چندھا دیتا ہے مگر اب ایسے آئے ایجاد ہو چکے ہیں جس سے ہم سورج کو صفائی سے دیکھ سکتے ہیں



ہو تو ایک واقعہ بڑی دلچسپی سے لکھتا ہے کہ سکرٹری نے جب اپنے دشمن کے مقابل میں نکلے تو تیار تھا۔ تو اس کی بیوی نے اپنے بچے کے الوداع کہنے آئی۔ سکرٹری نے اپنے دونوں ہاتھ پھینکا کہ بچے کی طرف بڑھا۔ مگر بچہ اپنے باپ کی تسکین کی زبردستی چلنے لگی۔ خود اور ہوا میں اڑتا ہوا اچھٹا دیکھ کر اس قدر رونا لکھنا مار کر اپنی داہرے سینے پر تکیا کہ تکیا کرنے پر اپنی خود اندری اور بڑے پیار سے بچے کو بلایا۔ بچوں ہی بچے نے اپنے باپ کو پانا تو جھپٹے اور کھٹکوا لے لیا۔ باپ کی گردن میں پک پک اسی طرح بھی اسرا۔ بل خدا کے اس پال کو جو کہ سینا پر نظر ہوا۔ دیکھ کر ڈر گئے (سہ ماہیوں ۱۸:۱۲) لیکن اب وہی خدا جس کے بے پایاں جہاد و جلال سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ اس کی طرح میں ایک ایسے خوش پرور میں نظر آتا ہے۔ جیسے سورج کی کرنوں میں اور سورج میں خدا کی لامتناہی محبت و شفقت و رحمت میں ایسی غور و نظر ہے جس کو ہم سمجھوں۔ وہ دیکھ سکتے کانوں سے سن سکتے اور دل سے محسوس کر سکتے ہیں۔ گویا کہ وہ خدا جو کفار سے نفرت رکھتا ہے اب مسیح میں انہی سے محبت کرتا ہے۔ جو محبت کرنے کے لائق نہ ہوتے۔ وہ خدا جس کی شان و شوکت پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ اب قریب اپنے آپ کو مافی کر کے انسانوں کے مشابہ ہو گیا۔ کہ انہیں جلال میں داخل کرے۔

عام سے یاد کی جلی مہتر خاص ہو سکے و کوہ طور نہیں اگرچہ یہ سچ ہے کہ خدا رحیم و کریم اور غفور ہے۔ لیکن کسی طرح یقین آئے کہ وہ کریم و غفور ہے اگر وہ آسمان پر جلوہ گرہ کہ ہمارے نیچے سی۔ آئی ہوئی ہے۔ شرعی زبان میں کہ آسمان میں چھوڑ دے کہ مہاجر اور لوگوں کے نام و اعمال لکھتا ہے۔ کیا خدا کا یہی کام ہے کہ تم کو سزا دے اور کسی کو جزا دے اگر خدا رحیم ہے تو ضرور ہے کہ وہ ہمارے درمیان رہے کہ ہمارے کمزوریوں کا چارہ ساز ہو۔

ایک نوکر کو اس امر سے بحث نہیں ہوتی کہ آیا مالک حسین ہے کہ نہیں آیا وہ یا نکاح ہے کہ ترچھا۔ اس کا یقینا اقتدار ہے آیا وہ دو متقدم ہے کہ نہیں بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ مالک کا سلوک میرے ساتھ کیسا ہے اس کے تعلقات میرے ساتھ کیسے ہیں۔ آیا محبت پر یا سختی پر مبنی ہیں۔

عزیز ہو! ہمارا خدا صرف بلند مقاموں میں رہنے والا نہیں بلکہ وہ مجسم ہو کر ہماری زمین پر مارا مارا پھرا۔ اُسے اپنی پیاری مخلوق کے ساتھ عشق ہے۔ اگر وہ کسی کو لکھیدہ خاطر دیکھتا تو اس کے دل کو ٹپکس لگتی۔ اگر کسی کی پیشانی پر تل یا کسی کے چہرے کو پر طلال پاتا تو میفرار ہوتا اور جب دیکھو روز کمزوریوں اور بیمار یوں میں مبتلا اس کے سامنے آتے تو انہیں اچھا کرتا۔ جب اس نے بعد کی موت کی خبر سنی تو وہ رویا۔ جس کے دل میں درد تھا۔ گداز تھا۔ اس کے پیار و رحم کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ وہ جو محبت ہے۔ خواہ ہم اس سے محبت رکھیں یا نہ رکھیں۔ وہ ہر حال میں ہم سے محبت رکھتا ہے۔ خدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی ہوتے۔ تو مسیح ہماری خاطر ہو گیا۔ مانا کہ انسان بڑا سرکش ہے لیکن خدا کا پدرانہ دل کب یہ گوارا کر سکتا تھا جس نے ہم کو اس شرف و مخلوقات بنایا وہ دوزخ ایندھن بن جائے۔ جیسے باپ اپنے بیٹوں پر تڑس کھاتا ہے۔ ویسے ہی خدا ابھی گنہگاروں پر تڑس کھاتا ہے۔ اسی لیے مسیح میں خدا انسانی ذات انسانی صورت اور انسانی زبان اختیار کرتا ہے۔ تاکہ ہمیں آسمانی خوشیوں سے مالا مال کرے۔

یہ شخص ہمارا دعویٰ ہی نہیں ذرا مسیحیت کی تواریخ کی ورق گردانی کیجئے وہ شروع سے بیکراج تک نامکملات کی فتح و نصرت کے کارناموں سے لبر ہے۔ لگاہ آئندہ لوگ اس کے نور سے منور ہوئے۔ بیماروں نے شفا پائی



جلوہ ہائے حقیقت دیکھے اسرار معرفت سمجھے عالم روحانی کی سیر کی حیات  
جاودانی پائی۔ لغتہ اے محبت سے مرست ہوئے۔

دوستوار ہم صرف کلمۃ اللہ کی قوت میں ٹھہر سکتے ہیں۔ آسمان کے نیچے کوئی  
دوسرا نام نہیں بکشا جس کے دیئے سے ہم نجات پاسکیں۔ راجعاً ۴، ۲۱، ۲۲، ۲۳  
میں کوئی اور طاقت نہیں جو انسان کی مادیت کا اسدا و کر سکے اس میں بلند  
نظری پیدا کر سکے۔ وہی ایک ایسے باغبان کی طرح ہے جو جنگلی گلاب میں صلی  
گلاب کی لہر دوڑاتا ہے۔ کیونکہ ارتج انسان میں بتا ہے۔ اس میں خیال کرتا  
ہے اور یوں اس کے خیال ہمارے خیال ہو جاتے ہیں۔ اس کی زندگی جاری  
زندگی ہو جاتی ہے یہ کیسا بھاری فضل ہے کسی گہری برکت ہے۔ کون ہے جو  
ورہ کو آٹھا کر آفتاب کر دے اور خاک کو گیسر اعظم بنا دے۔

تیس اتنی بڑی نجات سے خافل رہ کر ہم کیونکر گمچ سکتے ہیں۔ اس لئے آؤ اور  
اپنی حسین نیاز آستانہ ریح پر رکھ دو۔ وہی تھاری دھول کو سٹون بھینڈ گا۔ جیسی  
تھامے قلب تاریک کو جگمگا دیگا۔ وہ ایسی لئے ابن مریم بنا تاکہ ہمیں آسمانی  
خوشیوں سے مالا مال کرے۔ اس نے اپنے آپ کو اس لئے ٹیٹ کیا کہ ہمیں  
آسمانی مقاموں پر پہنچائے۔ ہر صفت اس سے باہر نوت اور ہلاکت کی وادی ہے  
چنانچہ اس حکمت کدو کے بسنے والوں میں جنہوں نے اسے قبول کیا اس نے  
انہیں خدا کے بیٹے ہونے کا حق بخشا۔ "عالم بالا پر خدا کی تہجد اور زمین پر  
ان آدمیوں سے جن سے وہ راضی ہے۔" "وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاءُ"

## تقریظ

از مولوی ایم۔ این۔ شریف منشی فاضل مولوی کل

جس طرح بارش کے لطیف قطرے اس خاکدان ہوا کے لئے شادابی کا پیام لانا  
ہیں۔ اسی طرح انبیاء اور مصلین ایزدی نفوس کی تیرگی کو دور کر کے وہ جلائے گئے ہیں  
کہ یہ ذلیل مخلوق لاکھ مقدس کا رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔

قیاس کی درود سے بہت بعید ہے۔ قلب کا وہ مرتبہ جب وہ کسی مرد کامل کی نظر  
کا شکام ہو کر جلالِ محمد اوندی اور برزخ عتبات ایزدی کا مرکز بن جائے۔

کس بلستندی پہ ہے مقامِ اسرار سرکش رب جمیل کا تھوں میں سے  
وہ مردان کامل جن کو مذہبی اصطلاحی زبان میں نبی یا رسول یا پیغمبر کا نام  
پڑا دیا گیا ہے بشریت کے لحاظ سے ہمارے ہمجنس ہوتے ہیں۔ نظری اعتبارات  
میں وہ ہم سے فوقیت نہیں رکھتے نہ ان کی پیدائش و موت کا طریقہ ہم سے  
جدا گڑ ہے نہ ان کی دنیاوی زندگی ایسی خلافِ عادت یا حیرت خیز ہوتی ہے۔  
کہ ہمیں ہم سے مافوق ٹھہرائے۔ ہاں ایک چیز ہے جو اس دنیا میں ان کو نوع انسان  
سے کیا اکائیات کے ورہ ورہ سے مافوق بنا دیتی ہے۔ وہ انکا ذاتِ احدیت سے  
روحانی تعلق ہے۔

اس قسم کے کمال روحانیت کے لحاظ سے تو ہر نبی ہی نوع انسانیت سے  
نفصیل رکھتا ہے۔ مگر ایک ایسی ذات ہی نظر آتی ہے جو نقصان ہائے فطرت کے لحاظ  
سے ہی نوع خصوصیات سے متفرق ہے۔ وہ جنابِ علیؑ ابن مریم ہیں۔ آپ کی